بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

انسان نے خود اپنی تلاش و جستجو سے جتنے طریقے یا مذاہب ایجاد کیے ہیں ان سب کو دو قسموں پر تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک قسم ان مذاہب کی ہے جو تخیل کی بلند پروازیوں سے پیدا ہوئے ہیں اور انسان کی اعجوبہ پسندی کو اپیل کرتے ہیں۔ دوسری قسم ان طریقوں کی ہے جو خواہشات اور اہوائے نفس سے پیدا ہوئے ہیں اور انسان کے حواس کو اپیل کرتے ہیں۔ اگرچہ ان دونوں قسم کے طریقوں میں عقل اور استعداد علمی سے کام لیا گیا ہے، لیکن عقل نہ ان کی محرک ہے، نہ وہ عقل کو اپیل کرتے ہیں، نہ عقلی نتائج کا حصول ان کا منتہائے مقصود ہے۔ عقل اور استعداد علمی ان کے پاس محض ایک آلہ کے طور پر ہے جس سے وہ ادنیٰ درجہ کے مقاصد حاصل کرنے کے لیے کام لیتے ہیں۔ ایک عالم مادی سے قطع نظر کرکے عالم باطنی کی طرف توجہ کرتا ہے اور علم و عقل کی تمام قوتوں کو ایسے ذرائع دریافت کرنے کے لیے استعمال کرتا ہے جن سے وہ نفس کی باطنی قوتوں کو مادی تقیدات سے آزاد کرکے مکاشفات اور لذات روحانی اور خوارق عادت کے حصول پر قادر ہو جائے۔ اس کے مقابلہ میں دوسرا عالم باطنی سے قطع نظر کرکے اپنی تمام توجہ عالم مادی کی طرف پھیر دیتا ہے اور یہاں وہ علم و عقل کی ساری طاقتوں کو ان طریقوں کے دریافت کرنے میں استعمال کرتا ہے جن سے وہ مادی اسباب و وسائل سے زیادہ سے زیادہ انتفاع کرکے اپنے جسم کے لیے زیادہ سے زیادہ آسائش اور اپنے حواس کے لئے

زیادہ سے زیادہ لذتیں حاصل کر سکے۔ غرض علم و عقل ان کے خادم ضرور ہیں، مگر بجائے خود ان کی بنا جہل اور نادانی پر ہے۔

ان کے مقابلہ میں ایک مذہب وہ ہے جو خدا نے اپنے رسولوں کے ذریعہ سے بھیجا ہے۔ یہ مذہب خالص علم سے پیدا ہوا ہے، سراسر عقل کو اپیل کرتا ہے، اور اس کا اصل مقصد انسان کو جہالت کی تاریکی سے نکال کر علم کی روشنی میں لانا ہے تاکہ وہ کائنات میں اپنی اصلی حیثیت سے واقف ہو، موجودات کے ساتھ اپنے تعلق کی حقیقی نوعیت کو سمجھے، اور علم و فہم کی اس روشنی میں اپنی تمام ظاہری و باطنی قوتوں اور مادی و روحانی وسائل کو اس مقصد تک پہنچنے میں استعمال کرے جو درحقیقت انسانی زندگی کا عقلی مقصد ہے یعنی اس دنیا میں اس منصب کا ٹھیک ٹھیک حق ادا کرنا جو اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنا خلیفہ بنا کر اس کے سپرد کیا ہے، اور آخرت میں اپنے مالک کی خوشنودی سے سرفراز ہونا جو اداے فرض کا لازمی نتیجہ ہے۔ یہ مذہب انسان کی کسی قوت کو بیکار نہیں کرتا بلکہ ہر ایک کو صرف کرنے کا صحیح راستہ بتاتا ہے۔ وہ انسان کی کسی خواہش کو پامال نہیں کرتا بلکہ ہر ایک کے لیے ایک جائز اور معقول حد مقرر کر دیتا ہے۔ وہ تخیل کو بلند پروازی سے روکتا نہیں بلکہ اس کی پرواز کے لئے ایک بہتر فضا اور ایک صحیح رخ متعین کرتا ہے۔ وہ انسان کی عملی قوتوں کو بھی مادی اسباب و وسائل کے اکتشاف اور ان سے انتفاع کرنے سے باز نہیں رکھتا بلکہ صحیح مقاصد کی طرف ان کی رہنمائی کرتا ہے۔ وہ ہر شخص کو اسی کام میں لگاتا ہے جس کی اہلیت لے کر وہ پیدا ہوا ہے، خواہ اس کا میلان روحانیت کی طرف ہو یا مادیت کی طرف۔ لیکن ان دونوں قسم کے انسانوں کو وہ ایسے علم اور ایسے تعقل سے بہرہ ور کر دینا چاہتا ہے جس کی مدد سے وہ افراط و تفریط کو چھوڑ کر ایک صراط مستقیم پر چل سکیں، انسان ہونے کی حیثیت سے اپنے فرائض کو سمجھیں اور بجا لائیں، ان کی ذات پر خدا اور مخلوقات اور خود ان کے اپنے نفس کے

جو حقوق ہیں ان کو جانیں اور ادا کریں، روحانیات کی طرف جائیں تو ان میں اس قدر گم نہ ہو جائیں کہ تمامتر مکاشفات اور لذاتِ روحانی ہی ان کی جد وجہد کا محور بن کر رہ جائیں، اور مادیات کی طرف متوجہ ہوں تو ادھر بھی ان کا انہماک اس قدر نہ بڑھ جائے کہ وہ بالکل حسّی لذتوں اور جسمانی آسائشوں اور مادی کامیابیوں ہی کو اپنا کعبہ مقصود بنا لیں۔

یہ سرتاسر علمی و عقلی مذہب ہے، اس لیے اس کا صحیح اتباع بھی علم او رعقل کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ یہاں ہر ہر قدم پر تفقہ اور تدبر کی ضرورت ہے جو شخص اس مذہب کی روح سے ناآشنا ہو، اس کی حکمتوں سے ناواقف ہو، اس کے اصول کو نہ سمجھتا ہو، اس کی تعلیم میں غور و فکر نہ کرتا ہو۔ وہ اُس راہ راست پر استقامت کے ساتھ چل ہی نہیں سکتا جس کی طرف یہ مذہب رہنمائی کر رہا ہے۔ اس کا عقیدہ بے قیمت ہے جب تک کہ وہ اقرار لسانی سے گذر کر تصدیق قلبی نہ بن گیا ہو۔ اس کا عمل بے اثر ہے جب تک کہ وہ علم او رفہم کی روح سے معمور نہ ہو جائے۔ اس کا اتباع قانون بے معنی ہے جب تک کہ قانون کی اسپرٹ اس کے جوارح سے گذر کر اس کے دل و دماغ پر حاوی نہ ہو گئی ہو۔ اگر محض تقلید کی راہ سے وہ بغیر سمجھے بوجھے اس مذہب کی صداقت پر ایمان رکھتا ہو اور اس کا اتباع کر رہا ہو، تو اس کا ایمان اور اتباع بالکل ایک ریت کے تودے کی طرح ہوگا جسے ہوا کا ہر جھونکا اپنی جگہ سے ہٹا کر دوسری جگہ جا سکتا ہے۔ ایسے جاہل کے ایمان اور اندھے کے اتباع میں کوئی پائداری نہیں ہو سکتی۔ ہر گمراہ کرنے والا اس کو صحیح مرکز سے ہٹا سکتا ہے۔ ہر خوشنما راستہ اس کو اپنی طرف مائل کر سکتا ہے، ہر توہم، ہر مفروضہ، ہر نظریہ اس کے اعتقاد کی بنیادوں کو متزلزل کر سکتا ہے۔ ہوائے نفس کی ہر لہر اور ضلالت عام کی ہر رَو اس کو بہا کر کہیں سے کہیں لے جا سکتی ہے۔ اگر وہ قدامت پسند ہوگا تو اعتقاد اور عمل کی ہر اس گمراہی پر اصرار کریگا جو آباؤ اجداد سے اس کو میراث میں ملی ہو، اگر تجدد کا ذوق رکھتا ہوگا تو نفس کو اپنا خدا بنا کر ہر اس نئے راستے پر بھٹکتا پھریگا جسے اسکے نفس کا شیطان اس کے سامنے مزین بنا کر پیش کر دے۔ اگر کمزور خواہشات

طبیعت کا ہوگا تو ہر اس راہ رو کے پیچھے چل کھڑا ہوگا جو اسے زندگی کے راستے پر کسی حیثیت سے کامیابی کے ساتھ قطع منازل کرتا نظر آئے۔ اگر خود اپنے اجتہاد سے کوئی راہ نکالنے کی اس میں صلاحیت ہوگی تو دین میں صحیح بصیرت نہ رکھنے اور الٰہی قانون کے اصول سے ناواقف ہونے کی وجہ سے زندگی کے سفر میں ہر دوراہے پر پہنچ کر وہ علم کے بجائے ظن و تخمین سے کام لیگا اور آخرکہیں نہ کہیں جا کر سیدھے راستے سے بھٹک ہی جائے گا۔ غرض اس خدائی مذہب کا صحیح اتباع اور اس اتباع میں استقامت جہل اور نافہمی کے ساتھ ممکن ہی نہیں۔ اس کے لیے علم اور سمجھ بوجھ اور غور و فکر ناگذیر ہے، اور انہی چیزوں کے مراتب پر کمالِ اتباع کے درجات مترتب ہوتے ہیں۔

اس مذہب کی تاریخ پر نگاہ ڈالیے تو ہمارے اس بیان کی صداقت آپ کے سامنے نمایاں ہو جائے گی۔ جتنے انبیاء علیہم السلام اللہ کی طرف سے آئے وہ صرف ایک قانون اور ایک کتاب ہی لیکر نہیں آئے بلکہ اس کے ساتھ حکمت بھی لائے ؟ تاکہ لوگ ان کی تعلیم کو سمجھیں اور علیٰ وجہ البصیرت اس قانون کی پیروی کریں جو ان کے ذریعہ سے بھیجا گیا تھا۔ فَقَدْ اٰتَیْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِیْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ (۴ : ۸) وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ (۳ : ۵) وَاٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ (۲:۳۸) قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ (۴۳ : ۶) یہ حکمت کیا چیز تھی؟ دین کی سمجھ، علم کی روشنی، بصیرت کا نور، تدبّر کی صلاحیت، اور تفقّہ کی قابلیت۔ جب کبھی کوئی نبی آیا اس نے اپنے پیرؤں کو کتاب کے ساتھ یہ چیز بھی دی اور اسی کی مدد سے لوگ سیدھے رستے پر قائم رہے۔ اس کے بعد ایک دور جہالت اور اندھی تقلید کا آیا جس میں حکمت غائب ہوگئی اور صرف کتاب باقی رہ گئی۔ کچھ عرصہ تک لوگ محض کتاب کو لیے ہوئے اس ڈگر پر چلتے رہے جس پر ان کے اسلاف انہیں چلا گئے تھے۔ مگر اب ان میں گمراہیوں کو قبول کرنے کی صلاحیت پیدا ہوگئی، کیونکہ وہ چیز ان میں باقی نہیں رہی

جس سے وہ کتاب کو سمجھتے اور ہدایت کو ضلالت سے ممتاز کر سکتے۔ رفتہ رفتہ ان کے قدم راہ راست سے ہٹنے شروع ہوئے کسی نے ہوائے نفس کا اتباع کیا کسی نے ظن وتخمین کی پیروی کی، کسی نے گمراہ قوموں کے اثرات قبول کیے، کسی نے جھوٹے رہنماؤں کو ارباب من دون اللہ بنایا، آخر کار حکمت کے ساتھ کتاب بھی رخصت ہوگئی، اور خدا کے بھیجے ہوئے دین کو مسخ کر کے اوہام اور خرافات اور فکر و عمل کی گمراہیوں کا مجموعہ بنا دیا گیا۔

اس طرح بار بار دین الٰہی کے مسخ ہونے اور کتب آسمانی کے گم یا محرف ہونے، اور امتوں میں ہدایت کے بعد ضلالت کے پھیل جانے کی وجہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ دین الٰہی میں اصل چیز الفاظ کتاب کی تلاوت اور رسوم مذہب کی بجا آوری نہیں ہے بلکہ تمام تر دار و مدار صحیح علم و فہم ہے جب تک لوگوں میں حکمت رہی، اور وہ آیات الٰہی میں تدبر کرتے رہے، اور انبیاء کی بتائی ہوئی صراط مستقیم پر نور بصیرت کے ساتھ چلتے رہے، اس وقت تک کوئی چیز ان کو گمراہ نہ کر سکی۔ اور جب یہ چیز ان سے مفقود ہوگئی تو گویا ان میں بیماریوں کی استعداد پیدا ہوگئی۔ ان کے اندر بھی امراض پیدا ہوئے اور باہر سے بھی وبائی جراثیم نے ان پر حملہ کیا یہاں تک کہ دین اور کتاب اور قانون سب کچھ کھو کر وہ ضلالت کے ہزارہا راستوں میں بھٹک گئے۔

انبیائے سابقین کے بعد محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی کتاب اور ایسی ہدایت دے کر بھیجا گیا جس کو پچھلی کتابوں کی طرح مسخ اور محرف ہونے کا تو کوئی خطرہ نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو صحیح صورت میں باقی رکھنے کا ایسا انتظام کر دیا ہے کہ اگر انسان اس کو بدلنے اور مٹانے کی کوشش بھی کرے تو کامیاب نہیں ہو سکتا لیکن اب بھی اس کتاب اور اس ہدایت سے فائدہ اٹھانے، اور دین کے سیدھے راستے پر قائم رہنے، اور اعتقاد و عمل کی گمراہیوں سے بچنے کا انحصار کلیۃً اسی چیز پر ہے جس کا

ابتدا سے دین الٰہی کی بنا رکھی گئی ہے، یعنی علم اور عقل۔ خدا کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت ہر زمانے اور ہر حال میں بہترین رہنما ہے، مگر ان کے لیے جو علم اور عقل رکھتے ہوں، اللہ اور اس کے رسول کی ہدایت کو سمجھیں، اس میں غور و خوض کریں، اس سے اکتساب نور کریں، اور زندگی کی ہر راہ میں اس نور کو لے کر چلیں۔ رہے وہ جو تفقہ و تدبر کی نعمت کھو چکے ہیں، اور صرف اس لیے مسلمان ہیں کہ ان کے باپ دادا ان کو مسلمان چھوڑ گئے ہیں تو درحقیقت ان کے لیے دین میں کوئی استقامت ہی نہیں۔ وہ ہر وقت گمراہی کے خطرہ میں ہیں۔ گمراہی ان کے اندر سے بھی پھوٹ سکتی ہے اور باہر سے بھی حملہ کر سکتی ہے۔ ممکن ہے کہ ان کی اپنی جہالت اور نافہمی ان کو راہ راست سے بھٹکا دے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ ان کے گرد و پیش جو ضلالتیں پھیلی ہوئی ہیں ان میں سے کسی کے پیچھے وہ بغیر جانے بوجھے لگ چلیں، کیونکہ ان کے پاس وہ چیز ہی نہیں ہے جو ان کو دین کے سیدھے رستے پر مضبوطی کے ساتھ قائم رکھ سکتی ہے۔

قرآن مجید میں انسان کی گمراہی کا اصل سبب صرف ایک چیز کو قرار دیا گیا ہے اور وہ آیات الٰہی کو نہ سمجھنا ہے، چنانچہ وہ بار بار اس پر تنبیہ کرتا ہے اور نہایت شدت کے ساتھ اس کی مذمت کرتا ہے:

إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِندَ اللَّهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ۔ (۸: ۳)	اللہ کے نزدیک بدترین جانور وہ بہرے گونگے ہیں جو عقل سے کام نہیں لیتے۔
لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَّا يَسْمَعُونَ بِهَا أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ أُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ۔ (۷: ۲۲)	ان کے پاس دل ہیں مگر ان سے سمجھتے نہیں اور ان کے پاس آنکھیں ہیں مگر ان سے دیکھتے نہیں اور ان کے پاس کان ہیں مگر ان سے سنتے نہیں، وہ جانوروں کی طرح ہیں بلکہ وہ اور بھی زیادہ گمراہ ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جو غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔

صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ۔ (۹: ۱۲۷) ۔	اللہ نے ان کے دلوں کو پھیر دیا ہے کیونکہ وہ ایسے لوگ ہیں جو سمجھ بوجھ نہیں رکھتے"۔
لَاَنْتُمْ اَشَدُّ رَهْبَةً فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنَ اللّٰهِ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ۔ (۵۹: ۱۳) ۔	ان کے دلوں میں خدا سے زیادہ تمہارا (یعنی بندوں کا) خوف ہے، یہ اس لیے کہ وہ سمجھ بوجھ رکھنے والے لوگ نہیں ہیں۔
اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ۔ (۴۷: ۲۴)	کیا وہ قرآن میں تدبر نہیں کرتے، یا ان کے دلوں پر قفل لگے ہوئے ہیں؟
اَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ ۔ (۲۳: ۶۸)	کیا انہوں نے اس بات پر (جو ان سے کہی جارہی ہے) غور نہیں کیا۔

اس عدم تدبر اور نافہمی کے نتائج دو مختلف صورتوں میں ظاہر ہوتے ہیں۔ اور وہ دونوں گمراہی کی بدترین صورتیں ہیں۔

ایک صورت یہ ہے کہ انسان بغیر سمجھے بوجھے اپنے دین و ایمان کو دوسروں پر چھوڑ دیتا ہے خواہ وہ اس کو نجات کے رستے پر لے جائیں یا ہلاکت کے رستے پر۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ (۵: ۱۰۴)	اور جب ان سے کہا گیا کہ آؤ اس کتاب کی طرف جو اللہ نے اتاری ہے اور رسول کی طرف، تو بولے کہ ہمارے لیے وہی طریقہ کافی ہے جس پر ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو پایا ہے۔ کیا یہ لوگ باپ دادا ہی کی تقلید کریں گے خواہ وہ کچھ نہ جانتے ہوں اور نہ راہ راست پر ہوں؟

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ (۹: ۵)

انہوں نے خدا کو چھوڑ کر اپنے علماء اور مشائخ کو خدا بنا لیا ہے (کہ جس کو وہ حرام کہیں وہی ان کے نزدیک حرام ہے خواہ اللہ نے اس کو حلال کیا ہو اور جس کو وہ حلال کہیں وہ ان کے نزدیک حلال ہے خواہ اللہ نے اس کو حرام کیا ہو)۔

يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ يَقُوْلُوْنَ يٰلَيْتَنَآ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلَا وَقَالُوْا رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا۔ (۳۳: ۸)

جب ان کے چہرے آگ میں الٹ پلٹ کیے جائیں گے تو وہ کہیں گے کہ کاش ہم نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی ہوتی۔ اور کہیں گے خدایا ہم نے اپنے سرداروں اور اپنے بڑوں کی اطاعت کی اور انہوں نے ہم کو گمراہ کر دیا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ انسان خدا کی بخشی ہوئی ہدایت کو چھوڑ کر خود اپنی رائے پر اعتماد کرتا ہے۔ مگر اس راہ میں اول تو علم یقین نہیں ہوتا (جو راہ راست پر چلنے کا یقینی ذریعہ ہے) بلکہ زیادہ تر ظن و گمان ہوتا ہے، دوسرے بڑا خطرہ یہ ہے کہ انسان کی عقل پر نفس کی خواہشات غالب آجاتی ہیں، اور اس کو اعتدال کے خط مستقیم سے ہٹا کر افراط و تفریط کی جانب لے جاتی ہیں۔ جب انسان اس رستے پر چلتا ہے تو اس کی مثال ایسی ہوتی ہے جیسے کوئی گھٹا ٹوپ اندھیرے میں گامزن ہو، کہیں علم صحیح اور عقل سلیم کی بجلی اتفاق سے چمک گئی تو راستہ نظر آگیا اور کچھ دور چل لیے كُلَّمَآ اَضَآءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِيْهِ۔ ورنہ حیران ہو کر کھڑے ہو گئے وَاِذَآ اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوْا۔ یا چلے تو کسی خارزار میں جا پھنسے یا کسی گڑھے میں گر گئے۔

وَمَا يَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ اِلَّا ظَنًّا اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا (۱۰: ۴)۔

اور ان میں سے اکثر بجز گمان کے کسی اور چیز کی پیروی نہیں کرتے اور گمان کا حال یہ ہے کہ وہ حق (علم یقین) سے کچھ بھی بے نیاز نہیں کرتا

أَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلٰهَهُ هَوَاهُ ...... کیا تو نے دیکھا اس شخص کو جس نے اپنی خواہش
أَمْ تَحْسَبُ أَنَّ أَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُونَ نفس کو اپنا خدا بنا لیا ہے ..... کیا تو گمان کرتا
أَوْ يَعْقِلُونَ إِنْ هُمْ إِلَّا كَالْأَنْعَامِ ہے کہ ایسے لوگوں میں سے اکثر سنتے اور سمجھتے ہیں؟ نہیں
بَلْ هُمْ أَضَلُّ سَبِيلًا (۴:۲۵) وہ تو بس جانوروں کی طرح ہیں، بلکہ ان سے بھی زیادہ بدراہ
وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوَاهُ بِغَيْرِ اس سے زیادہ بدراہ اور کون ہوگا جس نے اللہ
هُدًى مِّنَ اللَّهِ (۵:۲۸) ۔ کی ہدایت کو چھوڑ کر اپنی خواہش نفس کی پیروی کی ۔
وَلَا تُطِعْ مَنْ أَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَن ذِكْرِنَا اور اس شخص کی بات ہرگز نہ ماننا جس کے دل کو ہم نے
وَاتَّبَعَ هَوَاهُ وَكَانَ أَمْرُهُ فُرُطًا (۱۸/۴) اپنی یاد سے غافل کر رکھا ہے اور جس نے اپنی خواہش
نفس کی پیروی اختیار کی ہے اور جس کے کام میں اعتدال سے تجاوز ہے
وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ (۲:۲۵) اور ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کرنا جو علم نہیں رکھتے

یہ نتائج ہیں آیات الٰہی میں غور و خوض نہ کرنے اور تدبر و تفقہ سے کام نہ لینے کے۔ جو لوگ آیات کی تلاوت کرتے ہیں مگر ان کو نہیں سمجھتے، کتاب رکھتے ہیں مگر خود اس کی تعلیم میں بصیرت حاصل کرنے اور اس کے احکام کو معلوم کرنے کی کوشش نہیں کرتے، رسول کی صداقت پر ایمان رکھتے ہیں مگر اس ہدایت کی طرف سے اندھے ہیں جو رسول نے پیش کی ہے، اسلام کی حقانیت پر اعتقاد رکھتے ہیں، مگر اس کے اصول اور اس کی روح سے ناواقف ہیں، ان کے لیے ہر ہر قدم پر یہ خطرہ ہے کہ گمراہی کی ان دونوں صورتوں میں سے کسی صورت میں مبتلا ہو جائیں۔ اسی لیے اللہ اور اس کے رسول نے مسلمانوں کو بار بار تاکید کی ہے کہ دین میں بصیرت پیدا کریں، اس کی تعلیم اور اس کے احکام کو سمجھیں، اور کم از کم ان میں سے ایک گروہ ہمیشہ ایسا رہے جو تفقہ فی الدین حاصل

کرنے کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دے تاکہ اپنے دوسرے بھائیوں کی صحیح رہنمائی کر سکے۔

قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے۔

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ (۳۸: ۲۹)	یہ ایک کتاب ہے جو ہم نے تجھ پر اتاری ہے برکت والی ہے تاکہ لوگ اس کی آیات میں غور و خوض کریں اور جو عقل رکھتے ہیں وہ اس سے سبق لیں۔
قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّفْقَهُوْنَ۔ (۶: ۹۸)	ہم نے آیات کو مفصل بیان کر دیا ہے ان لوگوں کے لیے جو سمجھ بوجھ رکھتے ہیں۔
لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ (۳: ۱۶۴)	اللہ نے مومنوں پر بڑا ہی احسان کیا کہ ان میں خود انہی میں کا ایک رسول بھیجدیا جو ان کو اس کی آیات پڑھ کر سناتا ہے اور ان کے نفوس کا تزکیہ کرتا ہے اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔
وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا۔ (۲: ۲۶۹)۔	اور جس کو حکمت دی گئی اس کو بہت کچھ بھلائی دے دی گئی۔
فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ (۹: ۱۲۲)	پھر کیوں ان کے ہر گروہ میں سے ایک جماعت نہ نکلی تاکہ وہ دین میں تفقہ حاصل کرے اور واپس جاکر اپنی قوم کو آگاہ کرے۔

اس باب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بکثرت ہدایات فرمائی ہیں۔ مثال کے طور پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سن رکھو

اَلَا لَاخَیْرَ فِیْ عِبَادَۃٍ لَیْسَ فِیْھَا تَفَقُّہٌ وَلَا عِلْمٍ لَیْسَ فِیْہِ تَفَہُّمٌ وَلَا قِرَأۃٍ لَیْسَ فِیْھَا تَدَبُّرٌ۔

کہ اس عبادت میں کوئی بھلائی نہیں جس میں تفقہ نہیں ہے، اور اس علم میں کوئی بھلائی نہیں جس میں سمجھ بوجھ نہیں ہے، اور اس قرآن خوانی میں کوئی بھلائی نہیں جس میں تدبّر نہیں ہے۔

ایک دوسری حدیث میں ہے:۔

مَنْ یُرِدِ اللّٰہُ بِہٖ خَیْرًا یُفَقِّھْہُ فِی الدِّیْنِ

اللہ جس کے لیے بہتری کا ارادہ فرماتا ہے اس کو دین میں تفقہ عطا کرتا ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے۔

اَفْضَلُ النَّاسِ اَفْضَلُھُمْ عَمَلًا اِذَا فَقِھُوْا دِیْنَھُمْ۔

لوگوں میں سب سے بہتر وہ ہیں جو عمل کے اعتبار سے بہتر ہیں بشرطیکہ دین میں سمجھ بوجھ رکھتے ہوں

اس وقت مسلمانوں کے لیے سب سے بڑی بلکہ اصلی مصیبت یہی ہے کہ ان میں تفقہ فی الدین اور تدبّر فی الکتٰب والسنۃ نہیں ہے۔ اسی چیز کے فقدان نے ان کے اعتقادات کو کھوکھلا، ان کی عبادات کو بے روح، ان کی مساعی کو پراگندہ و پریشان، اور ان کی زندگیوں کو بے ضابطہ و بدنظم کر دیا ہے۔ اسلام کے شیدائی ان میں بہت ہیں، مگر اسلام کو سمجھنے والے بہت ہی کم ہیں۔ قرآن اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر مرمٹنے والوں کی کمی نہیں، مگر قرآن اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جس دین اور شریعت کو پیش کیا ہے اس کی روح اور اس کے اصول کو سمجھنے والے کالملح فی الطعام بلکہ اتنے بھی نہیں۔ یہ اسی ناسمجھی کے نتائج ہیں کہ جو لوگ اپنے آپ کو مسلمان کہتے اور سمجھتے ہیں ان میں بدترین قسم کے توہمات اور مشرکانہ عقائد سے لے کر الحاد، دہریت اور کفر کی حد کو پہنچے ہوئے خیالات تک۔ پائے جاتے ہیں

اور ان کو اس بات کا احساس تک نہیں کہ جس اسلام کی پیروی کے وہ مدعی ہیں اس میں اور ان خیالات میں کلی تباین ہے۔ اس سے بدتر حالت اخلاق و عملی زندگی کی ہے۔ بت پرستانہ رسوم و رواجات سے لیکر جدید مغربی تہذیب کے بدترین ثمرات تک ہر قسم کے اطوار اس قوم میں رائج ہیں جو اپنے آپکو اسلام کا پیرو کہتی ہے، اور الا ماشاء اللہ کسی گروہ کو یہ احساس تک نہیں کہ وہ کہاں کہاں اس قانون کے اصول اور قواعد سے صریح انحراف کر گئی ہے جس پر ایمان رکھنے کا اس کو دعوی ہے۔ ہر غلط خیال اور غلط طریقہ جو کہیں سے آتا ہے ان میں رواج پا جاتا ہے اور یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام میں اس کی بھی گنجائش ہے۔ ہر گمراہ کن شخص جو کسی خوش آیند طریقہ پر چل رہا ہے، بآسانی ان کا رہنما بن جاتا ہے اور یہ سمجھتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہم اس کی پیروی بھی کرسکتے ہیں۔ ہر چیز جو غیر اسلام ہے وہ بے تکلف اسلام کے ساتھ ایک ہی دماغ اور ایک ہی زندگی میں جمع کر لی جاتی ہے، کیونکہ اسلام اور غیر اسلام کا امتیاز علم و فہم پر موقوف ہے، اور اسی کا یہاں فقدان ہے۔ جو شخص مشرق اور مغرب کا فرق جانتا ہو وہ کبھی اس حماقت میں مبتلا نہیں ہو سکتا کہ مشرق کی طرف چل رہا ہو اور یہ سمجھے کہ مغرب کی سمت جا رہا ہوں۔ یہ فعل صرف ایک جاہل ہی کا ہو سکتا ہے، اور یہی جہالت ہم ایک نہایت قلیل جماعت کے سوا مشرق سے لے کر مغرب تک کے مسلمانوں میں عام دیکھ رہے ہیں، خواہ وہ ان پڑھ عوام ہوں یا دستار بند علماء، یا خرقہ پوش مشائخ، یا کالجوں اور یونیورسٹیوں کے تعلیم یافتہ حضرات۔ ان سب کے خیالات اور طور طریقے ایک دوسرے سے بدرجہا مختلف ہیں، مگر اسلام کی حقیقت اور اس کی روح سے ناواقف ہونے میں یہ یکساں ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک نہایت ہی حکیمانہ ارشاد ہے کہ۔

صنفان اذا صلحا صلحت الامۃ واذا دو گروہ ہیں کہ اگر وہ درست ہوں تو امت درست

فسدا فسدت الامة، السلطان والعلماء۔ رہے۔ اور اگر وہ بگڑ جائیں تو امت بگڑ جائے حکمران اور علماء۔

مسلمانوں کی تاریخ کا ہر باب اس ارشاد نبوی کی صداقت پر گواہ ہے، اور سب سے زیادہ آج ہم اس کی صداقت کو نمایاں دیکھ رہے ہیں اگر ہمارے حکمرانوں اور علماء میں تقوٰی اور دین کا صحیح علم ہوتا تو نوبت یہاں تک نہ پہنچتی، اور آج بھی اگر مسلمان قوموں کو ایسے رہنما میسر آ جائیں تو حالات کے اس درجہ بگڑ جانے پر بھی اصلاح سے مایوس ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔